11

بعض شکایات اور ان کے جوابات

(فرمودہ 28مارچ 1941ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"آج میرے پاس ایک دوست نے کچھ شکایات بھجوائی ہیں جو ایک ناظر کے متعلق ہیں۔ ان کا کچھ حصہ تو ذاتی ہے اور کچھ دفتری۔ دفتری شکایات کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی کارکن اپنے افسر کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہے تو صدر انجمن احمدیہ کے پاس کرے اور اس کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہے تو خلیفۂ وقت کے پاس کر سکتا ہے۔ خلیفہ کے پاس اپیل کے متعلق قواعد سے بھی بعض لوگ واقف نہیں۔ اور مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض کارکن بھی انجمن کے فیصلہ کے خلاف اپیل براہ راست مجھے بھیج دیتے ہیں حالانکہ قاعدہ یہ ہے ایسی اپیل بھی انجمن کے واسطہ سے آنی چاہئے۔ بعض خیال کرتے ہیں کہ انجمن چونکہ خلاف فیصلہ کر چکی ہے اس لئے شاید اپنے فیصلہ کے خلاف اپیل میرے پاس نہ پہنچنے دے اور روک لے۔ حالانکہ قانون یہ ہے کہ وہ ایسی اپیل کو روک نہیں سکتی۔ اس کی وساطت سے آنے کے معنے صرف یہ ہیں کہ وہ اپنا جواب بھی ساتھ شامل کر دے اور وقت ضائع نہ ہو۔ ورنہ صدر انجمن کو یہ اختیار نہیں کہ وہ میرے پاس کسی اپیل کو آنے سے روک دے اور کہہ دے کہ ہم یہ اپیل اوپر نہیں بھیجتے۔

اس دوست کی شکایات کا جو حصہ دفتری ہے اس کے متعلق تو نہ مَیں کچھ کہہ سکتا ہوں اور نہ کہنا چاہتا ہوں اس لئے کہ وہ خلاف قاعدہ بھی ہے اور اس کا

تعلق دوسروں کے ساتھ بھی نہیں مگر بعض باتیں ایسی ہیں کہ ممکن ہے بعض اور لوگوں کے دلوں میں بھی ویسے خیالات ہوں۔ اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ خطبہ میں ان کے متعلق بعض باتیں بیان کر دوں۔

ایک شکایت یہ ہے کہ ایک ناظر نے مسجد میں فلاں آدمی سے کہا کہ میرے پَیر دبا دو۔ اگر تو یہ شکایت ہوتی کہ ناظر جہاں بیٹھتے ہیں لوگوں کو اکٹھا کر لیتے ہیں کہ آؤ ہمارے پَیر دباؤ تو یقیناً یہ قابلِ اعتراض بات تھی اور میرے لئے اس کے تدارک کا فکر کرنا لازمی ہوتا لیکن کسی ایک ناظر کا ایک مرتبہ کسی خاص شخص سے ایسا کہنا ایک ایسی بات ہے کہ میری سمجھ میں نہیں آ سکتا کہ اس میں شکایت کی کیا بات ہے۔ دبوانے کا رواج ہمارے ملک میں عام ہے۔ بیمار بھی دبواتے ہیں، دوستوں کو دوست اپنی خوشی سے بھی دباتے ہیں۔ ہم نے سینکڑوں کو ایک دوسرے کو دباتے دیکھا ہے۔ جو شکایت کی گئی ہے ممکن ہے جس نے کہا ہو وہ ناظر کا دوست ہی ہو یا اس کے ساتھ اور کسی رنگ میں ایسے تعلقات ہوں کہ دبانے کو کہہ دیا۔ ناظر قطع نظر اس سے کہ وہ ناظر ہے انسان بھی ہے اور ہر انسان کے دوست ہوتے ہیں۔ دوست دوستوں کو دباتے بھی ہیں، ملنے والے بھی دبا دیتے ہیں۔ ایک آدمی کمزور ہوتا ہے تو بعض دفعہ دوسرے سے کہہ دیتا ہے کہ مجھے ذرا دبا دو۔ ہم نے تو بیسیوں دفعہ دیکھا ہے کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ دیتا ہے کہ میری کمر میں درد ہے ذرا دبا دو۔ اس میں تکبر، حکومت کا رعب، ناجائز دباؤ یا نظارت کا کوئی تعلق نہیں اور اس میں شکایت کا کوئی پہلو میں نہیں سمجھ سکا۔ ہاں اگر تو وہ ناظر یا دوسرے ناظر جہاں بیٹھیں لوگوں کو بلائیں کہ آ کر ہمیں دباؤ تو شکایت کی بات ہے۔ یا ایسے لوگوں سے دبوائیں جن سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو صرف ناظر ہونے کی وجہ سے وہ احمدیوں کو دبوانے کو کہیں تب بھی ان کا یہ رویہ قابل اعتراض کہلا سکتا ہے۔ مگر جو بات عام انسان کرتے ہیں ویسے ہی حالات میں وہ بات ایک ناظر کے متعلق شکایت کیونکر بن سکتی ہے۔ ایک زمیندار ڈنٹر پیلتا ہے تو کسی دوست سے

کہہ دیتا ہے مجھے مالش کر دو۔اس طرح لوگ ہر روز ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں مگر اس میں نہ کوئی ناجائز دباؤ ہے نہ تکبر ہے اورنہ حکومت کے رعب کی کوئی بات ہے۔کسی ناظر کا دوست ہو، واقف ہو یا اس سے اور کوئی لین دین کا تعلق ہو اسے اگر اس نے کہہ دیا کہ ذرا میرے پیر دبا دو تو یہ کوئی شکایت کی بات نہیں۔ اس شخص نے اس ناظر کا بھی ایک ہی ایسا واقعہ لکھا ہے۔گویا ساری عمر میں اس نے ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی شخص سے ایسا کہا اور یہ بات بھی دو سال کی ہے۔اسے شکایت کا رنگ دینا ایسی بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔اگر یہ تکبر ہے تو اس سے کوئی بھی خالی نہیں شاید ہزار میں سے ایک ہو جو کبھی بھی اپنے دوستوں یا واقفوں سے ایسی خدمت نہ لیتا ہو۔طبیعت خراب ہو تو بیویاں خاوندوں کو دباتی ہیں اور خاوند بیویوں کو۔ سینکڑوں مرتبہ میری بیوی نے مجھے دبایا ہو گا اور بیسیوں مرتبہ مَیں نے ان کو دبایا ہو گا۔ دوست دوستوں سے یہ سلوک کرتے ہیں اور اگر یہ سلوک نہ رہے تو انسان انسان نہیں بلکہ وحشی بن جائے۔انسانوں کے انسانوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔کیا ایسا ہونا چاہئے کہ جو ناظر بن جائے وہ ہر ایک کو کُتّے کی طرح بھونکتا پھرے۔ہم اسے تکبر سے تو روک سکتے ہیں مگر انسانیت سے خارج نہیں کر سکتے۔وہ بھی اسی طرح کا انسان ہے جیسے دوسرے اور اسے بھی اپنے دوستوں سے خدمت لینے،فائدہ اٹھانے یا فائدہ پہنچانے کا اسی طرح حق ہے جیسے دوسرے انسانوں کو۔اس میں نہ کوئی تذلیل ہے نہ تحقیر۔ساری دنیا میں یہ کام ہو رہا ہے۔بچہ ماں باپ سے ماں باپ بچوں سے، دوست دوستوں سے چھوٹے بھی اور بڑے بھی اس قسم کے سلوک ایک دوسرے سے کرتے ہیں۔اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں بلکہ بعض لوگ توایسے ہوتے ہیں کہ ان سے اگر خدمت نہ لی جائے تو وہ ہتک اورتکلیف محسوس کرتے ہیں۔

یہاں بھائی عبد الرحمان صاحب قادیانی ہیں مَیں جب سے ان کو جانتا ہوں مَیں نے دیکھا ہے کہ ان کو دوستوں کی خدمت کا شوق اور جوش ہے۔اب تو یہاں کی

آبادی وسیع ہو گئی ہے اور حالت بدل گئی ہے مگر جب یہاں احمدی تھوڑے تھے مجھے یاد ہے کوئی شادی بیاہ ہو یا اور کوئی تقریب ہو۔ بھائی جی وہاں خدمت کے لئے موجود ہوتے اور دوست بھی ان سے کہتے کہ بھائی جی! یہ کام کر دیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہاں متواضع صرف وہی تھے باقی سب متکبر تھے بلکہ ان میں خدمت کرنے کی خواہش اور شوق تھا اور وہ اسے حقیقی بھائی ہونے کی علامت سمجھتے اور لوگ بھی اپنے کام کے لئے یا ان کے دلی شوق کو دیکھتے ہوئے ان سے کہہ دیتے۔ سالہا سال تک یہی حالت رہی کہ کوئی مجلس ہو یا کوئی دعوت ہو بھائی جی وہاں کھڑے کام کر رہے ہیں۔ ان کی طبیعت کا میلان اسی طرف ہے کہ وہ خدمت کے رنگ میں دوستوں سے سلوک کرنا چاہتے ہیں اور لوگ بھی ان کے جوش یا اپنے کام کے لئے ان کو کہہ دیتے تھے۔ مَیں مسجد میں بیٹھتا ہوں تو بیسیوں لوگ دبانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کو اس سے روکا جائے تو وہ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خدمت کرنے کو تکلیف اور ہتک نہیں سمجھتے بلکہ اگر ان کو اس سے روکا جائے تو ہتک سمجھتے اور تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ آجکل تو مَیں نے دعوتیں بند کی ہوئی ہیں۔ مگر پھر بھی بعض لوگ خط لکھتے رہتے ہیں اور پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ ضرور منظور کریں۔ اور مَیں کہتا ہوں کہ اگر ایک کی منظور کروں تو دوسرے کو کیا جواب دوں۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو اسے کہوں کہ فلاں شخص اخلاص میں بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے اس کی دعوت منظور کر لی اور یا یہ کہ وہ منافق تھا اس لئے منظور کر لی کہ اسے ابتلاء نہ آئے۔ اور دونوں صورتیں دونوں میں سے ایک کے لئے تکلیف دہ ہیں۔ اس لئے مَیں نے یہ سلسلہ ہی بند کیا ہوا ہے سوائے اس کے کہ کوئی میرا جسمانی رشتہ دار بھی ہو۔ بعض لوگ اس پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں کہ آپ فلاں رشتہ دار کے ہاں گئے تھے۔ ان کو معلوم نہیں کہ رشتہ داروں کے بھی اللہ تعالیٰ نے حقوق رکھے ہیں اور روحانی و جسمانی دونوں رشتے جہاں ہوں وہاں رشتہ داری کے لحاظ سے بعض حقوق بھی ادا کرنے ضروری ہیں اور ان پر اعتراض کرنا

نادانی ہے۔

آنحضرت ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ہاں روز جاتے تھے مگر کیا دوسرے لوگوں کے ہاں بھی روز جاتے تھے؟ جس طرح دوسرے لوگ بیٹوں کی خدمت کرتے ہیں میرا بھی فرض ہے کہ اپنے بیٹوں کی خدمت کروں اور اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔ قریبی رشتہ داروں سے حسن سلوک صلہ رحمی میں داخل ہے جس کا اسلام نے خاص طور پر حکم دیا ہے اور اس لئے مَیں مجبور ہوں کہ ان کو مستثنیٰ رکھوں۔ جو لوگ مجھے دعوت دیتے ہیں وہ کھانا کھلانے کے لئے ہی دیتے ہیں مجھ سے کچھ مانگتے تو نہیں۔ زیادہ نہیں تو مجھ پر دو تین آنے تو ضرور خرچ ہوتے ہوں گے مگر ان کو یہ خرچ کرنے میں زیادہ راحت ملتی ہے اور نہ کرنے میں تکلیف۔ اب اگر کوئی یہ شور مچانے لگے کہ بڑا اندھیر ہو گیا آپ نے فلاں شخص کی دعوت منظور کر کے اس کا خرچ زیادہ کرا دیا تو یہ اس کی حماقت ہو گی۔ یہاں ایک غریب احمدی تھا وہ سالہا سال میرے پیچھے پڑا رہا کہ میری دعوت منظور کریں اور مَیں ٹالتا رہا تا اسے تکلیف نہ ہو۔ مگر پھر مَیں نے محسوس کیا کہ اسے یہ احساس ہو رہا ہے کہ اس کی غربت کی وجہ سے مَیں انکار کرتا ہوں اس لئے مَیں مان گیا۔ اس کے مکان پر گیا اس بے چارے کے ہاں کوئی سامان وغیرہ بھی نہ تھا چٹائی تھی جس پر اس نے مجھے بٹھا دیا۔ میرے اکیلے کی دعوت تھی۔ اس نے ایک کٹورے میں سالن لا کر میرے آگے رکھ دیا۔ مَیں جب کھا کر باہر نکلا تو دروازہ پر ہی ایک دوست مل گئے ان کو اعتراض کرنے کی بہت عادت تھی کہنے لگے کہ آپ ایسے غریبوں کی دعوت بھی قبول کر لیتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے اس غریب پر خواہ مخواہ بوجھ ڈالا ہے حالانکہ وہ کئی سال پیچھے پڑا رہا اور مَیں ٹالتا رہا اور پھر جب اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوا کہ غریب سمجھ کر مَیں نہیں مانتا تو مَیں اس کے ہاں گیا مگر باہر نکلتے ہی اس دوسرے دوست نے اعتراض کر دیا کہ آپ ایسے غریبوں کی دعوت بھی مان لیتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ ہاں ماننی پڑ ہی جاتی ہے۔

تو دیکھو دونوں کے نقطۂ نگاہ میں کتنا اختلاف ہے۔ ایک میرے نہ ماننے سے تکلیف محسوس کرتا تھا اور دوسرے نے ماننے کو قابلِ اعتراض سمجھ لیا اور مَیں دونوں کو تو خوش نہیں کر سکتا تھا ایک کو ہی کر سکتا تھا۔ تو ایسے اعتراضات عقل کے خلاف ہیں۔ انسانوں کے ساتھ انسانوں کے تعلقات ہوتے ہی ہیں اور ناظر بھی انسان ہیں۔ ناظر بنتے ہی کوئی شخص جانور تو نہیں بن جاتا۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو کہ ناظر یہاں بیٹھتے ہیں لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں کہ آؤ ہمارے پَیر دباؤ تو اعتراض کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر کسی ناظر کا ایک مرتبہ کسی ایسے شخص کو جس پر ممکن ہے اس کے احسان ہوں ایسا کہنا کوئی شکایت کی بات نہیں۔

دوسری شکایت یہ ہے کہ اس ناظر نے فلاں کلرک کے متعلق کہا کہ وہ خود کاغذ لے کر آئے اور میرے سامنے خود پیش کرے۔ اب تو یہ بات ظاہر ہو چکی ہے اس لئے مَیں بتا دیتا ہوں کہ یہ جھگڑا میرے تک آ چکا ہے اور اس کا فیصلہ مَیں نے ہی کیا تھا۔ میرے نزدیک کسی کلرک کو یہ حق نہیں کہ وہ کہے کہ ناظر چپڑاسی بھیج کر کاغذ منگوا لیا کرے مَیں خود لے جا کر پیش نہیں کروں گا۔ بعض دفعہ ان کاغذات میں سے کوئی بات سمجھنے والی ہوتی ہے اور کلرک جس نے وہ کام کیا ہو وہی سمجھا سکتا ہے۔

پس یہ بات عقل کے بالکل خلاف ہے کہ کاغذات چپڑاسی لے جائے اور کلرک خود پیش نہ کرے۔ بعض دفعہ میرے پاس بعض کاغذات آئے ہیں مَیں کہتا ہوں کہ ناظر اعلیٰ خود پیش کریں کیونکہ سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح ناظر کو بھی کوئی کاغذ بھیجنے کی ضرورت پیش آ سکتی ہے وہ عالم الغیب تو ہوتا نہیں اور سمجھا بھی وہی سکتا ہے جس کے ہاتھ سے کاغذ نکلا ہو اور اس پر کسی کلرک کو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میرے پاس جو معاملہ آیا تھا اور مَیں نے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ اگر ناظر ضروری سمجھتا تھا تو کلرک کو ضرور جانا چاہئے تھا۔ ایسی باتوں کو ہتک سمجھنے والے کے لئے دفتر میں کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے چاہئے کہ

اپنے گھر میں بیٹھا رہے۔ ایسی باتوں کو ہتک سمجھنے والا دفتر میں کام کرنے کے اہل نہیں۔

ایک اور شکایت یہ کی گئی ہے کہ ایک دفعہ فلاں شخص دفتر میں بیٹھا تھا یہ ناظر وہاں آیا اور اس سے کہا کہ تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے جس شخص کے متعلق یہ واقعہ ہے وہ آجکل میرے ہی ماتحت ایک جگہ ملازم ہے میری ہی زمین پر ہے۔ اس لئے گویا میرا ہی ملازم ہے۔مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس واقعہ کے وقت وہ دفتر میں ملازم تھا یا نہیں۔اگر وہ ملازم نہ تھا اورناظر نے یہ بات اسے کہی تو تکبر سے کام لیا۔ناظروں کے لئے میرا یہ حکم ہے کہ اگر کوئی ان سے ملنے آئے تو کھڑے ہوں دوسروں کو نہیں۔اور کسی ناظر کا کسی مہمان سے یہ کہنا کہ تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے تکبر اور آداب کے خلاف ہے۔لیکن اگر وہ شخص اس وقت انجمن کے دفتر میں کلرک تھا تو پھر اگر ایسا کہا تو درست کہا۔یا تو ہم جماعتی لحاظ سے یہ فیصلہ کر دیں کہ کسی کا کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوناجائز نہیں اور یہ شرک ہے۔ورنہ ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ افسر کے آنے پر کھڑا ہونا چاہئے ورنہ نظام قائم نہیں رہ سکتا۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں اور یہ شرک ہے۔ قاضی امیر حسین صاحب مرحوم بھی اسے شرک سمجھتے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام تشریف لاتے تو دوست تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے مگر قاضی صاحب مرحوم اسے شرک کہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تو نہیں مگر بعد میں دوستوں کو الگ الگ اس سے روکتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے میری معرفت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کو یہ پیغام بھجوایا کہ یہ شرک کی بات ہے آپ اس کو روک دیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام نے یہ پیغام سن کر فرمایا کہ قاضی صاحب سے کہہ دو کہ بعض شرک ایسے ہوتے ہیں کہ نیت ہو یا نہ ہو وہ شرک ہی رہتے ہیں اور بعض کام نیت کے ساتھ شرک بنتے ہیں اور تعظیماً کھڑا ہونا ان شرکوں میں سے نہیں کہ نیت ہو یا

نہ ہو یہ شرک بن جائے۔ بعض شرک بے شک ایسے ہیں کہ نیت کے بغیر بھی شرک ہی رہتے ہیں مثلاً کسی انسان کو سجدہ کرنا یا گیارھویں دینا وغیرہ۔ مگر تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ایسی بات نہیں کہ نیت کے بغیر بھی شرک ہو جائے۔ یہ شرک اس وقت ہوتا ہے جب ارادہ مشرکانہ ہو محض محبت سے مجبور ہو کر شرک کے ارادہ اور نیت کے بغیر آپ ہی آپ کسی فعل کے سرزد ہونے کا نام شرک نہیں رکھا جا سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة و السلام نے فرمایا کہ قاضی صاحب سے کہنا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات پر حضرت عائشہؓ کا ہاتھ بے اختیار مُنہ پر پڑا جیسے پیٹا جاتا ہے مگر معاً آپ کو یاد آ گیا کہ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس سے منع فرمایا ہے اور آپ فوراً رُک گئیں اور ان کے اس ہاتھ مارنے کو گناہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک غیر ارادی فعل تھا جسے آپ نے خیال آتے ہی معاً چھوڑ دیا۔ پس اگر کوئی شخص یہ خیال کئے بغیر کہ اس انسان کے اندر خدا کی صفات جلوہ گر ہیں ملکی دستور کے مطابق تعظیم کے لئے بے اختیار کھڑا ہوتا ہے تو یہ شرک نہیں بلکہ آداب اور نیکی کا طریق ہے۔ میں نے یہ جواب قاضی صاحب کو پہنچا دیا اور وہ خاموش ہو گئے گو ان کے دل میں یہ بات کھٹکتی رہی۔ میرا اپنا طریق یہ ہے کہ مجھے کوئی بھی ملنے آئے میں کھڑا ہوتا ہوں۔ بعض اوقات نو مسلم دوست جو پہلے چوہڑے تھے ملنے آئے ہیں اور مَیں ان کے لئے بھی کھڑا ہؤا ہوں۔ کوئی چپڑاسی بھی آئے اس کے لئے بھی کھڑا ہوتا ہوں۔ وہی میرے دفتر کا کلرک جو روز کاغذات پیش کرتا ہے اور ضرورتاً عرصہ تک کھڑا رہتا ہے جب کسی ذاتی کام کے لئے ملنے آئے تو مَیں کھڑا ہو جاتا ہوں کاغذات دکھانے کے وقت تو وہ کھڑا رہتا ہے کیونکہ سامنے بیٹھ جائے تو کاغذات دکھا نہیں سکتا اس لئے پہلو میں کھڑا ہو کر دکھاتا ہے مگر وہی جب کسی ذاتی بات کے لئے آئے تو مَیں ضرور کھڑا ہوتا ہوں۔ ہزاروں لوگ مجھ سے ملتے ہیں۔ کوئی بتائے کہ کبھی ایسا ہؤا ہو کہ مجھ سے کوئی ملنے آیا اور مَیں کھڑا نہ ہؤا ہوں۔ سوائے اس کے کہ مَیں حد سے زیادہ بیمار ہوں اور کھڑا نہ ہو سکوں اور ایسے مواقع بھی

ساری عمر میں پانچ سات ہی آئے ہوں گے۔ یا پھر جلسہ کے موقع پر کہ ہزاروں آدمی ملنے والے ہوتے ہیں اور اس پر عمل ناممکن ہوتا ہے۔ تو یہ ایک آداب کا طریق ہے اور اس سے توجہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اس لئے ناظروں کو بھی میرا یہی حکم ہے کہ کسی کے آنے پر وہ اٹھ کر اسے ملیں اور اس لئے اگر افسر کے آنے پر کلرک کھڑا نہیں ہوتا تو افسر کے اسے پوچھنے پر شکایت کی کوئی وجہ نہیں اس کے لئے تو کھڑا ہونا زیادہ ضروری ہے کیونکہ وہ ناظر اس کا بھائی بھی ہے اور افسر بھی۔ اس لئے بلا کسی دغدغہ کے کھڑا ہونا چاہیئے۔ ہاں جماعتی طور پر یہ قرار دے دیں کہ کسی کے لئے کھڑا نہیں ہونا چاہیئے تو اور بات ہے لیکن جبکہ یہ ایک آداب کا طریق ہے جس پر عمل ہوتا ہے۔ تو افسر کے آنے پر جو کلرک کھڑا نہیں ہوتا اگر وہ نادانستہ طور پر ایسا کرتا ہے تو بے سمجھ ہے اور اگر دانستہ کرتا ہے تو گستاخ ہے اور ناظر نے اگر اسے ٹوکا تو درست کیا اور اس کا اعتراض جائز تھا۔ خصوصاً جبکہ مَیں نے ناظروں کو بھی یہ ہدایت کی ہوئی ہے کہ کھڑے ہوں تا یہ احساس پیدا ہو کہ ناظر اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے اور جبکہ میں ہر ایک کے لئے کھڑا ہوتا ہوں اس کے باوجود بھی اگر کوئی کلرک کام کے لئے اپنے افسر کے پاس کھڑا ہونے کو ہتک سمجھتا ہے تو وہ بے وقوف ہے۔ ایک اور شکایت یہ ہے کہ ایک شخص نے اس ناظر کو سلام نہ کیا تو اس نے اسے کہا کہ تم نے سلام کیوں نہیں کیا۔ اگر یہ بات درست ہے تو یہ یقیناً تکبر نہیں تو ناظر کی بے وقوفی ضرور ہے۔ وہ لوگوں سے زبردستی سلام نہیں کرا سکتا مَیں خود سیر کے لئے جاتا ہوں اور مَیں نے دیکھا ہے کہ اگر پچاس آدمی رستہ میں ملتے ہیں تو ان میں سے 25 سلام کرتے ہیں اور 25 نہیں۔ اگر آدمی ہر ایک سے پوچھتا پھرے کہ تم نے سلام کیوں نہیں کیا تو وہ تو باؤلہ کتا ہو جائے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا حکم یہی ہے کہ تم کسی کو پہچانو یا نہ پہچانو اسے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہو۔ 1 مگر اس میں کیا شک ہے کہ اس حکم کا نہ اس قدر وسیع مفہوم ہے اور نہ مسلمان ایسا وسیع عمل اس پر کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اس حکم کی قدر نہیں کرتے

بلکہ بعض دفعہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ کوئی پاس سے گزر گیا ہے اور جب ہم اپنے خیال میں بعض دفعہ گزر جاتے ہیں اور دوسرے کو دیکھتے بھی نہیں تو دوسرے کے متعلق یہ خیال کیوں نہ کریں کہ وہ بھی اپنے خیال میں گزر گیا ہو گا۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ مَیں سیر کے لئے جاتا ہوں تو کئی دفعہ بعض لوگ پاس سے گز رجاتے ہیں اور مجھے پتہ بھی نہیں لگتا اور کسی کے بتانے سے علم ہوتا ہے کہ فلاں شخص گیا ہے۔ اگر میری یہ حالت ہو سکتی ہے تو دوسرے کی بھی ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کرنا کہ دوسرا ضرور سلام کرے ورنہ وہ گستاخ ہے بے وقوفی کی بات ہے۔ اس صورت میں ناظر خود ہی سلام کیوں نہ کر دیں اور اس طرح دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔ یہاں ایک شخص تھا جو دماغی مریض تھا اور اسے یہ خیال تھا کہ مَیں بڑا آدمی ہوں اور کسی کو سلام نہیں کہتا تھا۔ بعض دوستوں نے مجھے بتایا کہ وہ کسی کو سلام نہیں کہتا تو مَیں نے ان سے کہا کہ تم خود اسے کیوں سلام نہیں کہہ دیتے۔ مَیں نے پہلے تو اس بات کا کوئی خیال نہ کیا تھا مگر اس شکایت کے بعد غور کیا تو دیکھا کہ وہ میرے پاس سے بھی گزرا اور سلام نہ کہا اس پر مَیں نے یہ کیا کہ جب وہ میرے سامنے آتا مَیں خود اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہتا اور تین چار بار ایسا کرنے کے بعد مَیں نے دیکھا کہ وہ جونہی سامنے آتا فوراً اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہہ دیتا۔ تو اگر کوئی شخص سلام نہیں کہتا تو ناظر خود کیوں نہ اسے سلام کہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو معلم بنایا ہے اور ہمارا کام یہ ہے کہ دوسروں کو اخلاق سکھائیں۔ یہ کیا کہ کوئی سلام نہ کرے تو اسے پکڑیں کہ کیوں تم نے سلام نہیں کیا۔ یہ شکایت صحیح ہے تو اسے مَیں ناظر کی غلطی سمجھتا ہوں اور یہ ایسی غلطی ہے کہ اس خطبہ کو پڑھتے ہوئے بھی مجھے تو شرم سے پسینہ آ گیا کہ اسے یہ ضرورت کیونکر ہوئی کہ کسی سے ایسی بات کہے۔ یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے کسی سے کہا جائے کہ میری دعوت کرو۔ یہ نہایت ادنیٰ اور ذلیل بات ہے اور اس معاملہ میں ناظر کی اتنی غلطی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے بھی مجھے شرم محسوس ہوئی۔ آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام سب کے لئے یکساں طور پر واجب العمل ہیں۔

اگر کوئی دوسرا عمل نہیں کرتا تو خود کیوں نہ کریں؟ یہ احکام دوسروں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہمارے لئے بھی ہیں۔ اگر تو آپ کا یہ حکم ہوتا کہ ضرور چھوٹا سلام کرے بڑا نہ کرے تو ہم مجبور ہوتے کہ عمر یا درجہ یا علم میں جو چھوٹا ہو اس کو سلام نہ کرنے پر پوچھیں کہ تم نے کیوں عمل نہیں کیا۔ مگر جب چھوٹے بڑے سب کے لئے یکساں حکم ہے تو یہ کیوں امید رکھیں کہ دوسرا کرے ہم نہ کریں۔ نیکی میں خود ابتدا کیوں نہ کریں؟ صحابہ تو نیکی میں پہل کرنے کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے کہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کسی بات پر آپس میں لڑ پڑے۔ دونوں بھائی بھائی تھے مگر بعض دفعہ کوئی جھگڑے کی بات ہو جاتی ہے حضرت امام حسینؓ کی طبیعت تیز تھی ان سے سختی ہو گئی اور امام حسنؓ برداشت کر گئے۔ رات کو کسی ذکر پر ایک صحابی نے بیان کیا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اگر کوئی اپنے بھائی سے صلح کرنے میں پہل کرے تو وہ پانسو سال پہلے جنت میں جائے گا۔ یہ بات سنتے ہی حضرت امام حسنؓ اٹھے اور راتوں رات امام حسینؓ کے مکان پر پہنچے اور دستک دی۔ امام حسین باہر آئے اور پوچھا کہ بھائی اس وقت کیسے آئے۔ امام حسنؓ نے کہا کہ معافی مانگنے آیا ہوں۔ یہ سن کر ان کے دل میں بھی ندامت محسوس ہوئی اور کہا کہ معافی تو مجھے مانگنی چاہئے تھی مگر امام حسنؓ نے کہا کہ ابھی مَیں نے یہ حدیث سنی تھی اور مجھے خیال آیا کہ سختی بھی آپ نے کی تھی اب ایسا نہ ہو کہ معافی مانگنے کا ثواب آپ ہی لے جائیں۔ اس لئے مَیں معافی مانگنے آ گیا ہوں۔ تو نیکی اس طرح قائم نہیں ہو سکتی کہ جہاں دونوں کو حکم ہو وہاں بھی ہم دوسرے کو پکڑ کر کہیں کہ تم نے اس حکم پر عمل کیوں نہیں کیا اور خود نہ کریں۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے متعلق آتا ہے کہ یُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا [2] کہ وہ ایسی تعریف کرانا چاہتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے۔ دوسرے پر بھی اسی بات کا اثر ہو سکتا ہے جس پر اپنا عمل ہو۔ اگر کوئی غریب آدمی کسی امیر کو کہے کہ آپ زکوٰۃ کیوں نہیں دیتے تو وہ یہ نہیں

کہہ سکتا کہ تم خود کیوں نہیں دیتے بلکہ اس پر اس نصیحت کا اثر ہو گا لیکن اگر کوئی ایسا شخص جس پر زکوٰۃ فرض ہے خود تو نہ دے مگر دوسرے سے کہے کہ کیوں نہیں دیتے تو وہ یہی کہے گا کہ تم خود کیوں نہیں دیتے پس اس ناظر کو اگر کسی نے سلام نہیں کہا تھا تو بجائے اس کے کہ اس پر اعتراض کرتا اسے چاہئے تھا کہ خود سلام کہنے میں پہل کرتا کیونکہ سلام کرنے کا حکم دونوں کے لئے یکساں ہے۔

مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک شعر سنا ہوا ہے کہ:۔

وہ نہ آئے تو تُو ہی چل اے میر تیری کیا اس میں شان گھٹتی ہے

اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ایک بھائی نہیں مانتا تو کیوں نہ ہم خود اس پر عمل کر لیں۔ پس اگر شکایت درست ہے تو یہ فعل عقل کے خلاف اور اخلاق سے گرا ہوا ہے۔ یہ کہیں حکم نہیں کہ سلام صرف چھوٹا کرے بڑا نہ کرے۔ اگر ماتحت نے نہیں کیا تو افسر خود پہلے کر دے۔ میرا اپنا یہ طریق ہے کہ جب خیال ہوتا ہے تو مَیں خود پہلے سلام کہہ دیتا ہوں۔ بعض دفعہ خیال نہیں ہوتا تو دوسرا کر دیتا ہے ایسی باتوں میں ناظروں کو اعتراض کرنے کی بجائے خود نمونہ بننا چاہئے۔

ایک اَور شکایت مجھے امور عامہ کے واسطہ سے پہنچی ہے۔ اس کے متعلق بھی مَیں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا ہے کہ یہاں انصاف نہیں ہوتا۔ ایک ہی جرم پر بعض لوگوں کو سزا ہو جاتی ہے اور بعض کو نہیں ہوتی۔ فلاں آدمی نے یہی جرم کیا تو اسے سزا نہیں ہوئی اور فلاں کو ہو گئی۔ ایسے اعتراض بھی کئی لوگوں کے لئے ٹھوکر کا موجب ہو جاتے ہیں لیکن ایسے اعتراض کرنے والے دراصل انسانیت کے سمجھنے سے عاری ہوتے ہیں۔ یہ اگر جرم ہے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوا اور ہمیشہ ہوتا جائے گا۔ ہر ایک کو ایک ہی جرم پر سزا دینا انصاف کے لئے ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی کسی کو

سزا دے دیتا ہے اور کسی کو معاف کر دیتا ہے۔اصل بات یہ ہے کہ کسی کو سزا نہ دینا رحم کی بات ہے نا انصافی نہیں۔بعض اوقات بعض مصالح یا کسی حکمت کی بناء پر ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے فلاں شخص کو مال دے دیا اور فلاں کو نہیں دیا حالانکہ وہ بھی مومن ہے۔آپ یہ سن کر خاموش رہے۔اس نے پھر کہا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! آپ نے فلاں شخص کو مال دیا اور فلاں کو نہیں دیا حالانکہ وہ اس سے اچھا مومن ہے۔ مگر آپ پھر خاموش رہے اور اس نے پھر تیسری بار یہی اعتراض دُہرایا اور کہا کہ فلاں شخص جسے آپ نے مال نہیں دیا فلاں سے جسے دے دیا اچھا مومن ہے۔آپ نے فرمایا کہ یہ ضروری نہیں کہ مَیں ایمان کی وجہ سے کسی کو مال دوں۔میں بعض اوقات کمزوروں کو مال دے دیتا ہوں تاوہ ڈگمگا نہ جائیں۔3

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جب اموال تقسیم کئے تو بعض مکہ والوں کو بڑے بڑے گلّے دے دئے۔کسی کو سَو اونٹ، کسی کو پچاس، کسی کو بیس اور وہ انہیں لے کر خوش ہو کر چلے گئے۔ایک نوجوان آیا اور آپ کی پشت کی طرف تلوار ٹیک کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ خدا کی قسم اس تقسیم میں انصاف سے کام نہیں لیا گیا۔آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ اگر مَیں انصاف نہیں کرتا تو دنیا میں اور کون انصاف کرے گا اور آپ نے فرمایا کہ اس شخص کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ وہ منہ سے قرآن کریم پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا۔وہ نمازیں پڑھیں گے مگر وہ نمازیں ان کے لئے لعنت کا موجب ہوں گی۔ان سے اسلام میں تفرقہ اور بغاوت پیدا ہو گی۔ حضرت عمرؓ اس وقت شاید پرے بیٹھے تھے یا شاید بعد میں آئے اور یہ بات سنی تو تلوار کھینچ لی کہ مَیں اس شخص کو قتل کر دوں گا مگر رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اسلام میں تفرقہ پیدا کرنے والی جنگ ہو گی اور اس میں یہ شخص پکڑا جائے گا تو اس کے بازو پر گوشت کا لوتھڑا ہو گا جیسے عورت کا پستان ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے اسے مارنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسے بچانا تھا اس لئے وہ حضرت عمرؓ کو ملا نہیں اور آخر اس کی لاش جنگ صفین کے بعد ملی۔4 تو اس کے بازو پر بالکل عورت کے پستان کی طرح گوشت کا لوتھڑا پایا گیا۔

تو نظاموں اور سلسلوں کا کام چلانے کے لئے بعض حکمتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے جن کو مدنظر رکھنا خلیفہ کا فرض ہے۔ ورنہ خلافت کی کوئی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ اگر ہر ایک کو سزا ہی دینی ہو تو خلیفہ کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے لئے تو مشین ہی کافی ہے۔ خلیفہ کی ضرورت تو یہی ہوتی ہے کہ وہ مصلحت اور حکمت کو دیکھتا ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ ایسے جرائم میں جن کے لئے حد شرعی مقرر نہیں یا دوسروں کے حقوق تلف نہیں ہوتے۔ کسی کو سزا نہ دینے میں سلسلہ کا کوئی نقصان نہیں اور اس کا ایمان بچتا ہے تو اسے سزا نہ دینا نا انصافی نہیں بلکہ اگر کسی کو مال دینے میں سلسلہ کا نقصان نہ ہوا اور کسی کا ایمان سلامت رہے تو مال دے دینا بھی کوئی نا انصافی نہیں۔ پس سزا نہ دینا اور کسی کو معاف کر دینا شرعاً جائز ہے۔ سامانہ کا ایک شخص آجکل لوگوں میں یہ پروپیگنڈا کرتا پھرتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں لوگوں کے متعلق اطلاع دی تھی کہ وہ منافقوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اور ان کو سزا نہیں دی گئی۔ یہ شخص مجھ سے خود خواہش کر کے اور اجازت لے کر ملتا رہا جن سے ملنے کی اجازت نہیں اور خود اس نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ اس کی کسی رپورٹ پر کارروائی نہ کی جائے ورنہ اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ مَیں نے اسے کہا کہ بعض اوقات کارروائی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس لئے یہ طریق اختیار کرو کہ جب تم یہ سمجھو کہ فلاں بات ایسی ہے جس کے متعلق تم گواہی پیش کر سکتے ہو تو اسے رپورٹ میں نہ لکھنا بلکہ اسے الگ کاغذ پر لکھ کر لفافہ میں رپورٹ کے ساتھ رکھ دینا اور میں وہ کاغذ امور عامہ میں بھیج دیا کروں گا۔ مگر اب وہ کہتا پھرتا ہے کہ مَیں نے رپورٹیں کیں اور کوئی کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اس نے خود یہ خواہش کی تھی کہ اس کی رپورٹوں پر کارروائی نہ کی جائے ورنہ اس کا راز فاش ہو جائے گا۔ اگر میں اس کی

رپورٹوں پر کارروائی کرتا تو وہ کہہ دیتا کہ وعدہ کے خلاف کیا جا رہا ہے لیکن اگر یہ بات نہ بھی ہوتی تو بھی یہ میرا کام ہے کہ دیکھوں کس رپورٹ پر کارروائی کرنی چاہئے یا نہیں اور کس کو سزا دینی چاہئے یا نہیں۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں عبد اللہ بن ابی بن سلول اندرونی دشمنوں میں سے سب سے بڑا دشمن تھا۔ واقعہ افک کے متعلق قرآن کریم نے یہ فرمایا ہے کہ وہ سب سے بڑا مجرم ہے مگر رسول کریم ﷺ نے اسے کوئی سزا نہیں دی اور دوسروں کو دے دی۔ سوچنا چاہئے کہ اگر میں کسی کو سزا نہیں دیتا تو کیا اپنے کسی فائدہ کے لئے نہیں دیتا۔ اگر سلسلہ کے مصالح کا تقاضا ہو کہ اسے سزا نہ دی جائے تو میں تو تعریف کا مستحق ہوں کہ سلسلہ کے مفاد کے لئے میں اپنے جذبات کو قربان کرتا ہوں اور دینی مصالح کو ذاتی جذبات پر مقدم رکھتا ہوں۔ پس ایسا اعتراض کرنے والا نادان ہے اور دین کی باتوں کو نہیں سمجھتا۔ یہ میرا حق ہے کہ دیکھوں کس کو سزا دینی چاہئے اور کس کو نہیں۔ کس کو سزا دینے میں سلسلہ کا نقصان ہے اور کس کو چھوڑ دینے سے اس کی اصلاح ہو سکتی ہے۔

واقعہ افک کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے حسّان کو تو کوڑے لگوائے [5] مگر عبد اللہ بن ابی جس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وہ سب سے بڑا مجرم تھا اور جس کے متعلق تَوَلّٰی کِبْرَہٗ [6] فرمایا اُسے ایک جُوتا بھی نہیں لگوایا۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ قرآن کریم میں ایک مسئلہ ایسی وضاحت سے بیان ہو اور کوئی احمدی اسے سمجھ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ کا سلوک بھی ایسا ہی ہے۔ ایک شخص کی زبان سے کوئی بات نکلتی ہے اور وہ فوراً پکڑا جاتا ہے اور ایک خدا تعالیٰ کو بھی عمر بھر گالیاں دیتا ہے اور اسے کوئی گرفت نہیں ہوتی۔

میں ایک دفعہ لکھنؤ گیا وہاں ندوہ میں ایک مولوی عبد الکریم صاحب افغان تھے انہوں نے ہمارے خلاف جلسے کئے اور ایک جلسہ میں کہا کہ مرزا صاحب نبی بنے پھرتے ہیں اور حالت یہ ہے کہ مجھے مرزا حیرت دہلوی نے سنایا کہ مرزا صاحب دلّی میں آئے اور مجھے علم ہؤا تو مَیں انسپکٹر پولیس بن کر اس مکان پر گیا جہاں آپ

ٹھہرے ہوئے تھے اور نوکر سے کہا کہ مرزا صاحب کو جلدی اطلاع دو کہ پولیس افسر آیا ہے۔ نوکر نے جا کر اطلاع دی اور مرزا صاحب گھبراہٹ میں جلدی جلدی نیچے اترے اور آخری سیڑھی پر پہنچ کا ان کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑے۔ یہ واقعہ سنا کر وہ مولوی خوب ہنسا کہ ایسا شخص بھی نبی ہو سکتا ہے۔ اب یہ تمسخر تو ہے مگر کیا اتنا بڑا جو مولوی ثناء اللہ صاحب ہمیشہ کرتے ہیں؟ لیکن دیکھ لو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اتنی لمبی عمر ملی ہے اور مولوی عبد الکریم صاحب تیسرے ہی دن کوٹھے سے گرا اور مر گیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف غلط واقعہ منسوب کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے سزا دے دی۔ پس یہ تو ایسی بات ہے جو خدا تعالیٰ بھی کرتا ہے، اس کے نبی بھی کرتے رہے ہیں اور مجھے بھی کرنی پڑتی ہے۔ بعض اوقات میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ایسا بے حیا ہے کہ اس پر گرفت کرنے کے کا کوئی فائدہ نہیں اور اس کے برے نمونہ کا دوسروں پر بھی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب پر اس کی حالت عیاں ہوتی ہے اور سب جانتے ہیں کہ وہ بے حیا ہے اس لئے اسے چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ مگر دوسرا وہی جرم کرتا ہے تو چونکہ لوگوں کو اس سے حسن ظنی ہوتی ہے مَیں سمجھتا ہوں کہ اگر اسے سزا نہ دی گئی تو دوسروں پر بُرا اثر ہو گا۔ اسے چونکہ لوگ اچھا آدمی سمجھتے ہیں وہ خیال کریں گے کہ شاید یہ کام بھی اچھا ہو۔ اس لئے اسے سزا دے دی جاتی ہے یا بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ سزا سے اس کی اصلاح ہو جائے گی اس لئے سزا دے دی جاتی ہے۔ سزا دینے یا نہ دینے کے متعلق بیسیوں وجوہ ہو سکتے ہیں۔ کبھی اس کا خیال رکھنا ہوتا ہے کبھی اس کے دوستوں اور رشتہ داروں کا اور سلسلہ کا۔ اور خلیفہ کا حق ہے کہ دیکھے کس موقع پر کیا طریق عمل اختیار کرنا مناسب ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں کہ ہر ایک کے متعلق ان کو ظاہر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس طرح حکمت باطل ہو جاتی ہے۔ اگر ہر ایک واقعہ کے متعلق جلسہ کیا جائے جس میں بتایا جائے کہ فلاں شخص ایسا بُرا ہے کہ اس کی اصلاح کی کوئی صورت نہیں اس لئے اسے سزا نہیں دی گئی تو

سزا نہ دینے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔یہ چیزیں ایسی نہیں کہ عام لوگوں کو بتائی جا سکیں۔ اسلام نے معمولی انسان پر بھی حُسن ظنی کا حکم دیا ہے تو کیا خلیفہ ہی کا وجود ایسا ہے کہ اس پر کوئی حسن ظنی نہیں کی جا سکتی؟ لوگ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے متعلق حسن ظنی سے کام لیتے ہیں، بیٹوں کے متعلق حسن ظنی کرتے اور کہتے ہیں ہمارا بیٹا جھوٹ نہیں بول سکتا۔تو کیا پھر بد ظنی خلیفہ کے لئے ہی ہے؟ اگر کوئی شخص بیعت کی اہمیت اور خلیفہ کی حیثیت کو سمجھے تو خلیفہ کا حق اسے دینا پڑے گا اور یہ خلیفہ کا حق ہے کہ سوائے ایسے شرعی حدود والے جرائم کے جن میں سزا دینا اس کے اختیار میں ہے باقی امور میں چاہے تو کسی کو سزا دے اور چاہے نہ دے۔ رسول کریم ﷺ کے متعلق آتا ہے کہ آپ ایک دفعہ ایک شخص کے متعلق ذکر فرما رہے تھے کہ وہ بہت برا آدمی ہے کہ اتنے میں وہ شخص وہیں آ گیا آپ اس کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اپنا گدّا دے دیا اور عزت سے بٹھایا۔جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یَا رَسُولَ اللہ! آپ بھی ایسا کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس کے شر کو دور کرنے کے لئے مصلحت کا تقاضا یہی تھا۔7 یعنی اگر اسے پتہ لگ جائے کہ مجھے اس کی برائیوں کا علم ہو چکا ہے تو شرارت میں بڑھ جائے گا بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو علم ہو جائے کہ اس کے بھائی یا باپ کو علم ہو چکا ہے کہ وہ چور ہے تو وہ اور بھی دلیر ہو جاتا ہے لیکن اگر سمجھے کہ علم نہیں تو کوشش کرتا ہے کہ چوری چھوڑ دے تا ان کو پتہ نہ لگ سکے۔ اس لئے عقلمند جب اس قسم کی مصلحت دیکھیں تو دوسرے کی کمزوری کو اس پر ظاہر نہیں کرتے تا وہ بے حیا نہ ہو جائے۔پس سزا دینے میں کئی باتوں کو مدنظر رکھنا پڑتا ہے اور ان حکمتوں کو اگر تم سمجھ نہیں سکتے تو خواہ مخواہ اعتراض نہ کرتے رہو۔بے شک بعض کو سزا نہیں دی جاتی مگر اس میں حکمت ہوتی ہے۔ بعض اوقات اسے سزا دینے سے ایسے فتنہ کا دروازہ کھل جاتا ہے جو سلسلہ کے لئے مضر ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ مدنظر رکھنا پڑتا ہے کہ اگر اسے پتہ لگ گیا کہ اس کی کمزوری ظاہر ہو چکی ہے تو

وہ بے حیا ہو جائے گا۔ کبھی سزا نہ دینے سے ہی کسی کی اصلاح ہو سکتی ہے اور کبھی دینے سے ہو سکتی ہے۔اس لئے جیسا موقع مناسب ہو کیا جاتا ہے اور جب تک کسی قوم کو حکومت نہ مل جائے ان مصلحتوں کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ہاں جن جرائم کی حدیں شریعت نے مقرر کر دی ہیں ان کے متعلق اور صورت ہے۔ مگر ان میں بھی تمام شرائط کو جو شریعت نے رکھی ہیں مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ایک جرم کے اثبات کے لئے شریعت نے اگر چار گواہ ضروری قرار دیئے ہیں تو دو ہونے کی صورت میں سزا نہیں دی جا سکتی۔خواہ وہ دو کتنے ہی بڑے پارسا اور نیک کیوں نہ ہوں اور جہاں وہ گواہ ضروری ہیں وہاں ایک کی گواہی پر سزا نہیں دی جا سکتی خواہ وہ کتنا بڑا متقی کیوں نہ ہو۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اتنے بڑے معتبر کی بات بھی نہیں مانی جاتی۔ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ سب سے بڑا معتبر خدا ہے اور اس کا حکم ہے کہ اس موقع پر ایک معتبر کی مانو۔پس خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں اس کی بات کیسے مان لی جائے۔پس اگر کوئی اپنے آپ کو بڑا معتبر سمجھتا ہے تو وہ اپنے گھر ہو گا۔میرے نزدیک سب سے معتبر خدا ہے اور جب اس نے حکم دیا ہو کہ فلاں موقع پر چار کی گواہی مانو تو دو خواہ سورج کی طرح روشن اور آسمان کے تارے کیوں نہ ہوں مَیں ان کی بات کیسے مان لوں اور جہاں اس نے دو کی گواہی ضروری رکھی ہے وہاں ایک کی نیکی خواہ زمین و آسمان پر حاوی کیوں نہ ہو میں اس کی گواہی نہیں مان سکتا۔ پس ایسے امور کے سوا جن میں بعض شرائط کے موجود ہونے کی صورت میں شریعت نے خاص سزا مقرر کر دی ہے باقی امور میں سزا دینا یا نہ دینا خلیفہ کا اختیار ہے اور اگر وہ خدا تعالیٰ کے لئے یا سلسلہ کے مفاد کے لئے کسی کو چھوڑتا ہے تو اس پر اعتراض کرنے والا نادان ہے۔ہاں اگر میں ذاتی طور پر کسی سے ڈر کر چھوڑتا ہوں تو بھی ان کو گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ میرے اوپر مجھ سے بہت بڑا حاکم ہے جس کے سامنے مجھے جواب دینا ہو گا مگر مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مَیں نے کبھی ذاتی طور پر یا کسی سے ڈر کر کسی کو نہیں چھوڑا۔ ہاں

سلسلہ کے مفاد کے لئے اگر کوئی حکمت اور مصلحت سمجھوں تو ان امور میں جن کی سزا شریعت نے مقرر نہیں کی اور سزا دینا یا نہ دینا مجھ پر چھوڑ دیا ہے بعض اوقات چھوڑ بھی دیتا ہوں۔ جن امور میں شریعت نے سزا مقرر کر دی ہے ان میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پورا ثبوت موجود ہو اور مَیں نے چھوڑ دیا ہو لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ مَیں یہ بات کہتا ہوں یہ ثابت ہے صحیح نہیں کیونکہ ثبوت وہی ہے جسے خدا تعالیٰ نے ثبوت قرار دیا ہے باقی وہم ہے۔" (الفضل 10 اپریل 1941ء)

---

1 بخاری کتاب الاستئذان باب السلام لِلْمَعْرِفَةِ وَ غَيْرِ الْمَعْرِفَةِ

2 آل عمران: 189

3 بخاری کتاب الایمان باب اِذَا لَمْ يَكُنِ الْاِسْلَامُ عَلَى الْحَقِيْقَةِ (الخ)

4 بخاری کتاب المناقب باب عَلَامَاتُ النَّبُوَّةِ فِى الْاِسْلَامِ

5 سنن ابی داؤد کتابُ الْحُدُوْد باب فِیْ حَدِّ الْقَذْفِ

6 النور: 12

7 بخاری کتاب الادب، باب مَا يَجُوْزُ مِنْ اِغْتِيَابِ اَهْلِ الْفَسَادِ وَ الرَّيْبِ